ماہنامہ السنۃ ،جہلم شمارہ نمبر 39
صفر 1433ھ، بمطابق جنوری 2012ء

1۔	اللہ تعالیٰ عرش پر ہے!	غلام مصطفےٰ ظہیر امن پوری	02
2۔	حدیثِ ''لولاک'' کی استنادی حیثیت!	ابن الحسن محمدی	10
3۔	کیا مقتدی سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے گا؟	ابو سعید سلفی	26
4۔	شراب خانہ خراب اور فقہ حنفی!	ابو عبد اللہ صارم	32
5۔	حلال جانوروں کا پیشاب ! قسط نمبر 4	حافظ ابو یحییٰ نور پوری	38
6۔	سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک جھوٹ !	غلام مصطفےٰ ظہیر امن پوری	47
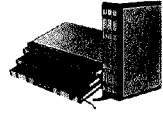
اہل سنت والجماعت کا اس عقیدے پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے، ہر جگہ موجود نہیں۔اہل سنت والجماعت کی مخالفت کرتے ہوئے معبد بن عبد اللہ جہنی (م:۸۰ھ)،عبد اللہ بن اباض اباضی (م:۸٦ھ)،غیلان بن مسلم دمشقی (م : ۱۰۵ھ)، واصل بن عطاء بصری (م:۱۳۱ھ)، عمر بن عبید بصری (م :۱۴۳ھ) اور حسین بن منصور حلاج (م:۳۰۹ھ) کی ذریت یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے، حالانکہ یہ باطل عقیدہ ہے جو کہ قرآن وسنت اور اجماع وفطرت سے متصادم ہے۔

عرش پر مستوی ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ وہ عرش پر اس طرح بلند ہے جیسا اس کی شان وعظمت کو لائق ہے۔استواء تو معلوم ہے مگر اس کی کیفیت مجہول ہے۔صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا اتفاقی واجماعی اصول یہ ہے:

إثبات ما أثبته اللّٰه لنفسه في كتابه ، أو أثبته له رسوله صلّى اللّٰه عليه وسلّم من غير تحريف ولا تعطيل ، ومن غير تكييف ولا تمثيل .

''اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں جو صفات اپنی کتاب میں بیان کی ہیں یا اس کے رسول ﷺ نے ثابت کر دی ہیں ان کا اثبات کیا جائے گا، اس سلسلے میں تحریف وتعطیل سے کام نہیں لیا جائے گا نہ ان صفات کی کوئی کیفیت یا تمثیل بیان کی جائے گی۔''

(عقيدة السلف أصحاب الحديث للصابوني، ص : ٤)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس بارے میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

إنّنا على أصل صحيح وعقد متين من أنّ اللّٰه تقدّس إسمه لا مثل له ، وأنّ إيماننا بما ثبت من نعوته كإيماننا بذاته المقدّسة ، إذ الصفات تابعة للموصوف ، فنعقل وجود البارى ونميّز ذاته المقدّسة عن الأشباه من غير أن نتعقّل الماهية ،

فكذلک القول فی صفاته نؤمن بها ونعقل وجودها ونعلمها في الجملة من غير أن نتعقّلها أو نشبّهها أو نكيّفها أو نمثّلها بصفات خلقه ، تعالى اللّٰه عن ذلک علوّا كبيرا . ''ہم اس صحیح دین اور مضبوط عقیدے پر قائم ہیں کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مثال نہیں، نیز اللہ تعالیٰ کی جو صفات (قرآن وحدیث سے) ثابت ہیں، ان پر ایمان لانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا اس کی ذاتِ مقدسہ پر ایمان لانا۔ کیونکہ صفات موصوف کی تابع ہوتی ہیں۔ چنانچہ جس طرح ہم بغیر کیفیت کو ذہن میں لائے باری تعالیٰ کے وجود اور ذات پر ایمان رکھتے ہیں اور اسے دوسروں سے ممتاز کرتے ہیں، بعینہ یہی معاملہ اس کی صفات کے بارے میں ہے۔ ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کے وجود کو بغیر کسی مخلوق سے تشبیہ دیے اور بغیر کیفیت بیان کیے اور بغیر مثال دیے کے تسلیم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تشبیہ و تمثیل سے بہت بلند ہے۔'' (العلوّ للعليّ الغفّار للذهبي، ص : ١٣)

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (٢٢٣۔٣١١ھ) فرماتے ہیں :

قد ذكرنا استواء ربّنا على العرش في الباب قبل ، فاسمعوا الآن ما أتلو عليكم من كتاب ربّنا الذى هو مسطور بين الدفّتين ، مقروء في المحاريب والكتاتيب ، ممّا هو مصرّح في التنزيل أنّ الربّ جلّ وعلا في السماء ، لا كما قالت الجهميّة المعطّلة : إنّه في أسفل الأرضين ، فهو في السماء ، عليهم لعائن اللّٰه التابعة ، قال اللّٰه تعالى : ﴿أَأَمِنتُم مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ﴾ ، وقال اللّٰه تعالى : ﴿أَمْ أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا﴾، أفليس قد أعلمنا يا ذوى الحجا خالق السموات والأرض وما بينهما في هاتين الآيتين أنه في السماء ، وقال عزّ وجلّ : ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾ ، أفليس العلم محيطا يا ذوى الحجا والألباب أنّ الربّ جلّ وعلا فوق من يتكلّم بالكلمة الطيّبة ، فتصعد إلى اللّٰه كلمته ، لا كما زعمت المعطّلة الجهميّة أنّه تهبط إلى اللّٰه الكلمة الطيّبة كما تصعد إليه ، ألم تسمعوا يا طلّاب

العلم قوله تبارك وتعالى لعيسى ابن مريم : ﴿يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾ ، إنّما يرفع الشيء من أسفل إلى أعلا ، لا من أعلا إلى أسفل ، وقال اللّٰه عزّ وجلّ : ﴿بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ﴾ ، ومحال أن يهبط الإنسان من ظهر الأرض إلى بطنها ، أو إلى موضع أخفض منه وأسفل ، فيقال : رفعه اللّٰه إليه لأنّ الرفعة في لغة العرب الذين بلغتهم خطوبنا لا تكون إلّا من أسفل إلى أعلى وفوق ، ألم تسمعوا قول خالقنا جلّ وعلا يصف نفسه : ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ ، أو ليس العلم محيطا أنّ اللّٰه فوق جميع عباده من الجنّ والإنس والملائكة الذين هم سكّان السموات جميعا ، أو لم تسمعوا قول الخالق البارئ : ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ☆يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ ، فأعلمنا الجليل جلّ وعلا في هذه الآية أيضا أنّ ربّنا فوق ملائكته وفوق ما في السموات وما في الأرض من دآبّة وأعلمنا أنّ ملائكته يخافون ربّهم الذى فوقهم ، والمعطّلة تزعم أنّ معبودهم تحت الملائكة ، ألم تسمعوا قول خالقنا: ﴿يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ﴾ ، أليس معلوما في اللغة السائرة بين العرب التي خوطبنا بها وبلسانهم نزل الكتاب أنّ تدبير الأمر من السماء إلى الأرض إنّما يدبّره المدبّر ، وهو في السماء لا في الأرض ، كذلك مفهوم عندهم أنّ المعارج المصاعد ، قال اللّٰه تعالى : ﴿تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ﴾ ، وإنّما يعرج الشيء من أسفل إلى أعلى وفوق ، لا من أعلى إلى دون وأسفل ، فتفهموا لغة العرب لا تغالطوا ، وقال جلّ وعلا : ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ﴾ ، فالأعلى مفهوم في اللغة أنّه أعلى كلّ شيء ، وفوق كلّ شيء ، واللّٰه قد وصف نفسه في غير موضع من تنزيله ووحيه وأعلمنا أنّه العلي العظيم ، أفليس العلي يا ذوى الحجا ما يكون عليّا ، لا كما

تزعم المعطّلة الجهميّة أنّه أعلى وأسفل ووسط ومع كلّ شيء وفي كلّ موضع من أرض وسماء وفي أجواف جميع الحيوان ، ولو تدبّروا آية من كتاب اللّٰه ووفّقهم اللّٰه لفهمها لعقلوا أنّهم جهال لا يفهمون ما يقولون ، وبان لهم جهل أنفسهم وخطأ مقالتهم ، وقال اللّٰه تعالى لمّا سأله كليمه موسى عليه السلام أنّ يريه ينظر إليه ، قال : ﴿لَنْ تَرَانِي وَلَكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا﴾ ، أفليس العلم محيطا يا ذوى الألباب أنّ اللّٰه عزّ وجلّ لو كان في كلّ موضع ومع كلّ بشر وخلق كما زعمت المعطّلة لكان متجلّيا لكلّ شيء ، وكذلک جميع ما في الأرض لو كان متجلّيا لجميع أرضه سهلها ووعرها وجبالها وبراريها ومفاوزها ومدنها وقراها وعمرانها وخرابها وجميع ما فيها من نبات وبناء لجعلها دكّا كما جعل اللّٰه الجبل الذى تجلّى له دكّا ، قال اللّٰه تعالى : ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا﴾ .

''ہم اس سے پہلے باب میں اپنے رب کے عرش پر مستوی ہونے کا بیان کر چکے ہیں۔اب وہ آیات سنیں جو میں آپ کو ہمارے رب کی اس کتاب سے پڑھ کر سنا رہا ہوں جو کتابی صورت میں لکھی ہوئی ہے اور منبر و محراب پر پڑھی جاتی ہے۔اس میں بڑی وضاحت سے یہ بات درج ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات آسمانوں سے اوپر ہے۔جہمیہ معطلہ کا یہ کہنا غلط ہے کہ وہ سب زمینوں کے نیچے بھی ہے اور آسمانوں کے اوپر بھی۔جہمیوں پر اللہ تعالیٰ کی مسلسل لعنتیں برسیں۔خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿أَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ﴾(الملك : ١٦)(کیا تم اس ذات سے بےخوف ہو گئے ہو جو آسمانوں کے اوپر ہے کہ کہیں وہ تمہیں زمین میں نہ دھنسا دے؟) ، نیز فرمایا: ﴿أَمْ أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا﴾(الملك : ١٧)(یا تم اس ذات سے بےخوف ہو گئے ہو جو آسمانوں کے اوپر ہے کہ کہیں وہ تم پر پتھروں کی بارش نہ کر دے؟)اصحابِ شعور! کیا آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان سب کے خالق نے ان دو آیات میں ہمیں یہ بات نہیں

بتا دی کہ وہ آسمانوں کے اوپر ہے۔خود اسی کا فرمان ہے : ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾(فاطر : ۱۰) (اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل پاکیزہ کلمات کو بلند کرتا ہے)۔ اربابِ دانش ! کیا اس آیت سے یہ بات معلوم نہیں ہو جاتی کہ اللہ عزوجل پاکیزہ کلمات ادا کرنے والے شخص سے اوپر ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ اوپر ہے تو پھر ہی اس کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھیں گے۔جہمیہ معطلہ کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں ، اسی طرح اس کی طرف نازل بھی ہوتے ہیں(یعنی اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے،نعوذ باللہ!)۔طالبِ علم حضرات ! کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا جو اس نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ : ﴿يَا عِيسٰى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾(آل عمران : ۵۵)(اے عیسیٰ! میں تجھے پورا پورا لینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں)۔ کیا یہ بات حقیقت نہیں کہ کسی چیز کا چڑھنا صرف نیچے سے اوپر کی طرف ہی ہو سکتا ہے، اوپر سے نیچے کی طرف چڑھا نہیں جا سکتا؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ﴾(النساء : ۱۵۸)(بلکہ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا)۔ یہ بات ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص زمین کے اوپر سے نیچے کی طرف جائے یا اونچی جگہ سے نیچی کی طرف جائے تو کہہ دیا جائے کہ اسے اللہ نے اوپر اٹھا لیا ہے کیونکہ عربی زبان جس کے ذریعے (قرآن کریم میں) ہمیں مخاطب کیا گیا ہے ، اس میں اٹھنا ہمیشہ نیچے سے اوپر کی طرف ہوتا ہے۔کیا آپ نے ہمارے خالق عزوجل کا یہ فرمان نہیں سنا کہ اس نے اپنے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾(الأنعام : ۱۸)(اور وہ اپنے بندوں کے اوپر ہے اور ان پر غالب ہے)۔کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان میں رہنے والے اپنے تمام بندوں ، یعنی جنوں ، انسانوں ،فرشتوں سے اوپر اور بلند ہے۔کیا آپ نے باری تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ : ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ☆يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾(النحل : ۵۰)(اور آسمان و زمین میں جو چوپائے اور فرشتے

ہیں ، وہ سب اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔وہ اپنے اوپر سے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے)۔ اللہ رب العزت نے ہمیں اس آیتِ کریمہ میں بتایا ہے کہ وہ اپنے فرشتوں اور آسمان وزمین کے تمام جانداروں سے اوپر اور بلند ہے۔اس نے ہمیں یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس کے فرشتے اپنے اس رب سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر ہے۔ اس کے برعکس معطلہ کا دعویٰ ہے کہ ان کا معبود فرشتوں سے نیچے ہے۔کیا آپ نے ہمارے خالق کا یہ فرمان نہیں سنا کہ : ﴿يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ﴾ (السجدة : ٥) (وہ آسمانوں سے زمین کی طرف معاملات کی تدبیر کرتا ہے ، پھر وہ معاملہ اس کی طرف چڑھتا ہے)۔کیا وہ لغتِ عرب جو معروف ہے اور جس میں قرآنِ کریم نازل ہوا ہے ، اس سے یہ بات عیاں نہیں ہو جاتی کہ معاملات کی تدبیر اللہ تعالیٰ آسمانوں سے زمین کی طرف کرتا ہے اور وہ آسمانوں کے اوپر ہے ، زمین میں نہیں؟ عربوں کے ہاں عروج کا مادہ اوپر جانے اور چڑھنے کے معنیٰ میں ہی ہوتا ہے۔کوئی چیز ہمیشہ نیچے سے اوپر کی طرف ہی چڑھتی ہے، اوپر سے نیچے کی طرف نہیں۔لغتِ عرب کی معرفت حاصل کر لیں تاکہ مغالطے میں نہ پڑیں۔اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے : ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾(الأعلى : ١)(آپ اپنے اعلیٰ رب کے نام کی تسبیح بیان کریں)۔لغتِ عرب میں کسی چیز کے اعلیٰ ہونے کا معنیٰ ومفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ سب سے بلند اور اوپر ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر اپنے آپ کو **العليّ** اور **العظيم** ہونے سے متصف کیا ہے۔اربابِ ہوش! کیا **العليّ** وہی نہیں ہوتا جو بلند ہو؟ اس سب کے باوجود جہمیہ معطلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اوپر بھی ہے اور نیچے بھی، درمیان میں بھی ہے اور ہر چیز کے ساتھ بھی، بلکہ زمین و آسمان میں ہر جگہ ہے ، تمام جانداروں کے پیٹ میں بھی ہے (نعوذ باللہ!)۔ حالانکہ اگر وہ قرآنِ کریم کی ایک بھی آیت پر غور کر لیتے اور اللہ تعالیٰ اس کو سمجھنے کی توفیق بھی ان کو مرحمت فرماتا تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ وہ پرلے درجے کے جاہل ہیں اور اپنی زبان سے نکلنے والی باتوں کو بھی نہیں سمجھ پاتے ،

ان کے سامنے اپنی جہالت اور اپنے اقوال کی غلطی عیاں ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ سے جب موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے مطالبہ کیا کہ وہ اسے دیکھنا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَنْ تَرَانِي وَلَكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا﴾(الأعراف: ١٤٣)(آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے، ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھو، اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو آپ مجھے دیکھ سکیں گے۔ جب ان کے رب نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا)۔ اصحابِ عقل وشعور! کیا یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ اگر معطلہ کے کہنے کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہوتا اور ہر بشر اور ہر مخلوق کے ساتھ ہوتا تو اس کی تجلی ہر چیز پر اور زمین کی تمام مخلوقات پر پڑتی۔ اگر اللہ تعالیٰ ساری زمین یعنی میدانوں، جنگلات، پہاڑوں، براعظموں، ریگستانوں، شہروں، بستیوں، آبادیوں، ویرانوں، تمام نباتات اور تمام عمارتوں پر تجلی کرتا تو سب کا سب اسی طرح ریزہ ریزہ ہو جاتا جس طرح وہ پہاڑ (کوہِ طور) ریزہ ریزہ ہوا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی ڈالی تھی۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا﴾(الأعراف: ١٤٣) (جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا)۔"(كتاب التوحيد لابن خزيمة: ٢٥٤-٢٥٨)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾(الحديد: ٣)

"وہ اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ»

''اے اللہ تو اوّل ہے، تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی اور تُو آخر ہے، تیرے بعد کوئی چیز نہ ہوگی، تُو ظاہر (بلند) ہے، تجھ سے اوپر کوئی چیز نہیں اور تُو باطن ہے تجھ سے پوشیدہ کوئی چیز نہیں۔''(صحیح مسلم : ۲۷۱۳)

امام ابوبکر آجری رحمہ اللہ (م : ۳۶۰ھ) فرماتے ہیں :

وممّا يحتجّ به الحلوليّة ممّا يلبّسون به على من لا علم معه ، يقول الله عزّ وجلّ : ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾(الحديد : ۳) ، وقد فسّر أهل العلم هذه الآية : هو الأوّل قبل كلّ شيء من حياة وموت ، والآخر بعد كلّ شيء بعد الخلق ، وهو الظاهر فوق كلّ شيء ، يعني ما في السماوات ، وهو الباطن دون كلّ شيء يعلم ما تحت الأرضين ، ودلّ على هذا آخر الآية ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾(الحديد : ۳) .

''حلولی عقیدے کے حامل لوگ ایک دلیل جس سے وہ جاہل لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، یہ آیت کریمہ ہے : **﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾**(الحديد : ۳) (وہ اوّل ہے، آخر ہے، ظاہر ہے اور باطن ہے)۔ حالانکہ اہل علم نے اس آیتِ کریمہ کی تفسیر یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوّل ہونے سے مراد اس کا ہر چیز، یعنی زندگی اور موت سے پہلے ہونا ہے اور اس کے آخر ہونے سے مراد تمام مخلوقات کے ختم ہونے کے بعد باقی رہنا ہے۔ اس کے ظاہر ہونے سے مراد آسمانوں کے ہر مخلوق سے اوپر اور بلند ہونا ہے اور اس کے باطن ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ زمینوں کے نیچے موجود چیزوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ اس کی دلیل اسی آیت کا آخری ٹکڑا ہے، فرمانِ الٰہی ہے : **﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾**(الحديد : ۳) (اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے)۔''

(الشريعة للآجري : ۳۰۹، ۳۱۰)

حدیثِ ''لولاک'' کی استنادی حیثیت!

ابوالحسن محمدی

گمراہ صوفیوں نے ایک جھوٹی اور من گھڑت روایت مشہور کر رکھی ہے کہ کائنات کی تخلیق رسولِ اکرم ﷺ کی وجہ سے ہوئی۔ ذخیرۂ حدیث میں موجود اس کی تمام سندوں کا تفصیلی جائزہ اور ان پر منصفانہ تبصرہ پیشِ خدمت ہے۔ قارئین کرام غور سے اس مضمون کا مطالعہ فرمائیں اور فیصلہ خود کریں کہ کیا ایسی روایات کو دینِ اسلام کا نام دیا جا سکتا ہے اور کیا ایسی روایات کو اپنی تائید میں پیش کرنے والے لوگ اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہو سکتے ہیں؟ ملاحظہ فرمائیے:

روایت نمبر ①: سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«وَلَوْلَاكَ يَا مُحَمَّدُ ! مَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا»

''اے محمد (ﷺ)! اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو تخلیق نہ کرتا۔''

(تاریخ ابن عساکر : ۵۱۸/۳، الموضوعات لابن الجوزی : ۲۸۸/۱، ۲۸۹)

تبصرہ: یہ باطل روایت ہے۔ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اسے ''موضوع'' (من گھڑت) قرار دیا ہے۔ حافظ سیوطی نے بھی ان کے حکم کو برقرار رکھا ہے۔

(اللآلی المصنوعة للسیوطی : ۲۷۲/۱)

اس روایت کے باطل ہونے کی کئی وجوہات ہیں:

① محمد بن عیسیٰ بن حیان مدائنی راوی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' (ناقابل اعتبار) ہے۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ''متروک الحدیث'' قرار دیا ہے۔ (سوالات الحاکم : ۱۷۱)

نیز امام موصوف نے اسے ''ضعیف'' بھی کہا ہے۔

(العلل للدارقطنی : ۳۴۷/۵، سنن الدارقطنی : ۷۸/۱)

امام ابواحمد الحاکم فرماتے ہیں : **حدّث عن مشایخه ما لم یتابع علیه .**

''اس نے اپنے اساتذہ سے ایسی روایات بیان کی ہیں جن پر متابعت نہیں کی گئی۔''

(تاریخ بغداد للخطیب البغدادی : ۳۹۹/۲، وسندہٗ صحیحٌ)

حافظ لالکائی رحمہ اللہ بھی اسے ''ضعیف'' کہتے ہیں۔(تاریخ بغداد للخطیب : ۳۹۸/۲)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے ''متروک'' قرار دیا ہے۔(میزان الاعتدال للذہبی : ۶۷۸/۳)

حافظ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ یہ ''ضعیف'' راوی ہے۔(الموضوعات : ۲۸۹/۱)

صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے ثقات (۱۴۳/۹) میں ذکر کیا ہے اور برقانی نے اسے ثقہ کہا ہے۔(تاریخ بغداد للخطیب : ۳۹۸/۲)

معلوم ہوا کہ اس کا ضعف ہی راجح ہے۔

② محمد بن صباح راوی اگر کوفی ہے تو امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

لیس بقويّ . ''یہ مضبوط راوی نہیں۔''(الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم : ۲۹۰/۷)

③ ابراہیم بن ابی حیہ بھی سخت ''ضعیف'' راوی ہے۔

اس کو امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے ''منکر الحدیث'' قرار دیا ہے۔

(التاریخ الکبیر للبخاری : ۲۸۳/۱)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے کتاب الضعفاء والمتروکین (۱۷) میں ذکر کیا ہے۔

نیز انہوں نے اسے ''متروک'' بھی قرار دیا ہے۔(میزان الاعتدال للذہبی : ۷۹/۱)

امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی : ۲۳۸/۱، وسندہٗ حسنٌ)

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ''منکر الحدیث'' راوی ہے۔

(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۱۴۹/۲، ت : ۴۹۱)

امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **ليس بشيء .** ''یہ فضول آدمی تھا۔''(لسان الميزان لابن حجر : ۵۲/۱)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **يروى عن جعفر بن محمّد وهشام مناكير وأوابد ، يسبق إلى القلب أنه المتعمّد بها .**

''یہ جعفر بن محمد اور ہشام سے منکر اور من گھڑت روایات بیان کرتا ہے۔ دل کو لگتا یہی ہے کہ اس نے خود ایسی روایات گھڑی ہیں۔''(المجروحين لابن حبان : ۱۰۳/۱، ۱۰٤)

حافظ ابن الجوزی نے بھی اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔(الموضوعات : ۲۸۹/۱)

البتہ امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ نے اسے **شيخ ثقة كبير** (الجرح والتعديل : ۱٤۹/۲) کہہ دیا ہے لیکن ان کا یہ قول جمہور محدثین کی جرح کے مقابلے میں ناقابل التفات ہے۔

④ خلیل بن مرۃ نامی راوی بھی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ''منکر الحدیث'' راوی ہے۔

(سنن الترمذی : ۲٦٦٦، ۳٤۷٤)

نیز فرماتے ہیں : **فيه نظر .** (التاريخ الكبير للبخاری : ۱۹۹/۳)

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ نے اسے حدیث میں غیر قوی قرار دیا ہے۔

(الجرح والتعديل لابن أبی حاتم : ۳۷۹/۳)

امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔(الضعفاء والمتروكين : ۱۷۸)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے بھی ''ضعیف'' کہا ہے۔

(المجروحين لابن حبان : ۲۸٦/۱، وسندہٗ صحیحٌ)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں : **منكر الحديث عن المشاهير ، كثير الرواية عن المجاهيل .** ''یہ مشہور راویوں سے منکر احادیث بیان کرتا ہے، اس کی زیادہ تر روایات مجہول راویوں سے ہیں۔''(المجروحين لابن حبان : ۲۸٦/۱)

حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' ہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ جمہور کی تضعیف کے مقابلے میں امام ابن شاہین وغیرہ کی توثیق مفید نہیں۔

⑤ اس روایت کی سند میں یحییٰ نامی راوی سے مراد اگر یحییٰ ابن ابی صالح سمان ہے تو وہ مجہول ہے۔(تقریب التهذيب لابن حجر : ٧٥٦٩)

امام ابن حبان رحمہ اللہ کے علاوہ کسی نے اسے ثقہ قرار نہیں دیا۔

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں : **شيخ مجهول ، لا أعرفه .** ''یہ کوئی نامعلوم شیخ ہے، میں اسے نہیں پہچانتا۔''(الجرح والتعديل : ١٥٨/٩)

اور اگر یہ یحییٰ بن ابی حیہ ابو جناب کلبی ہے تو پھر ''ضعیف'' ہے اور ''تدلیس تسویہ'' کا مرتکب ہے۔ علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں : **وأكثر الناس على تضعيف الكلبيّ .**

''اکثر محدثین کرام نے کلبی کو ضعیف قرار دیا ہے۔''(نصب الراية للزيلعي : ٢٣/٢)

لہٰذا یہ سند پانچ وجہ سے باطل ہے۔ اس سے اہل باطل ہی دلیل لے سکتے ہیں۔

روایت نمبر ② :

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے :

«أَتَانِي جِبْرِيلُ فَقَالَ : يَا مُحَمَّدُ! لَوْلَاكَ لَمَا خُلِقَتِ الْجَنَّةُ، وَلَوْلَاكَ مَا خُلِقَتِ النَّارُ» ''میرے پاس جبریل آئے اور کہنے لگے : اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر آپ نہ ہوتے تو جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کیا جاتا۔''

(سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني : ٤٥٠/١)

تبصرہ :

یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ :

① عبیداللہ بن موسیٰ قرشی راوی کے حالات نہیں مل سکے۔

② فضیل بن جعفر بن سلیمان راوی کی توثیق اور حالات معلوم نہیں ہوئے۔

③ عبدالصمد بن علی بن عبداللہ راوی کی بھی توثیق نہیں ملی۔

اس کے بارے میں امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **حديثه غير محفوظ، ولا يعرف إلّا به.** ''اس کی حدیث غیر محفوظ ہے اور وہ اسی روایت کے ساتھ معروف ہے۔''(الضعفاء الكبير للعقيلي: ٨٤/٣)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ان تینوں میں سے کسی ایک کی کارستانی ہے۔

روایت نمبر ③ : سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

[أَوْحَى اللّٰهُ إِلٰى عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا عِيسٰى! آمِنْ بِمُحَمَّدٍ وَأْمُرْ مَنْ أَدْرَكَهُ مِنْ أُمَّتِكَ أَنْ يُؤْمِنُوا بِهٖ، فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ آدَمَ، وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ، وَلَقَدْ خَلَقْتُ الْعَرْشَ عَلَى الْمَاءِ فَاضْطَرَبَ، فَكَتَبْتُ عَلَيْهِ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ، فَسَكَنَ]

''اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائیے اور حکم دیجیے کہ آپ کی امت میں سے جو لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زمانہ پائیں، وہ ان پر ایمان لائیں۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں آدم (علیہ السلام) کو پیدا نہ کرتا، اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں جنت اور جہنم کو پیدا نہ کرتا۔ میں نے عرش کو پانی کے اوپر پیدا کیا تو وہ ہلنے لگا۔ میں نے اس پر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ لکھ دیا تو وہ ٹھہر گیا۔''

(المستدرك على الصحيحين للحاكم: ٢١٤/٢، ٢١٥، ح: ٤٢٢٧)

تبصرہ: یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ایک جھوٹی کہانی ہے کیونکہ:

① اس کا راوی عمرو بن اوس انصاری ایک نامعلوم و مجہول راوی ہے۔ اس راوی اور اس روایت کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **يجهل حاله، أتى بخبر منكر، أخرجه الحاكم في مستدركه، وأظنّه موضوعا.**

''یہ راوی مجہول الحال ہے۔اس نے ایک منکر روایت بیان کی ہے جسے امام حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں ذکر کیا ہے۔میرے خیال کے مطابق وہ روایت من گھڑت ہے۔''

(میزان الاعتدال للذہبی : ٣/٥٢٤٦،٦٣٣٠)

② سعید بن ابی عروبہ ''مدلس'' اور ''مختلط'' راوی ہے۔

③ قتادہ بن دعامہ راوی بھی ''مدلس'' ہیں، انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔

لہٰذا اس قول کی سند کو امام حاکم رحمہ اللہ کا ''صحیح'' کہنا ناقابل اعتبار ہے۔حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے امام حاکم رحمہ اللہ کی اس بات کا ردّ کرتے ہوئے لکھا ہے:

أظنّه موضوعا على سعيد . ''میرے خیال میں یہ سعید پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔''(تلخيص المستدرك للذهبي : ٢/٤١٥)

لسان المیزان میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی حکم کو برقرار رکھا ہے۔

تنبیہ : طبقات المحدثین باصبہان لابی الشیخ (٢/٢٨٧) میں عمرو بن اوس انصاری مجہول کی متابعت سعید بن اوس انصاری نے کی ہے لیکن اس کی سند میں محمد بن عمر محاربی راوی لاپتہ افراد میں سے ہے۔لہٰذا اس متابعت کا کوئی فائدہ نہیں۔

روایت نمبر ③ : سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَمَّا اقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيئَةَ، قَالَ : يَا رَبِّ ! أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ، لَمَا غَفَرْتَ لِي، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : يَا آدَمُ ! وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ أَخْلُقْهُ ؟ قَالَ : لِأَنَّكَ يَا رَبِّ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ رَفَعْتُ رَأْسِي، فَرَأَيْتُ عَلٰى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوبًا : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ، فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تُضِفْ إِلَى

اسْمِكَ إِلَّا أَحَبَّ الْخَلْقِ إِلَيْكَ، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : صَدَقْتَ يَا آدَمُ، إِنَّهُ لَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَيَّ، وَإِذْ سَأَلْتَنِي بِحَقِّهٖ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ، وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ» ''جب آدم علیہ السلام نے گناہ کا ارتکاب کیا تو انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب! میں تجھ سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حق کے ساتھ سوال کرتا ہوں کہ مجھے معاف کردے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسے پہچان لیا جبکہ میں نے ابھی تک اسے پیدا ہی نہیں کیا؟ آدم نے عرض کیا: اس لیے کہ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا اور عرش کے پائیوں پر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ لکھا دیکھا۔ میں جان گیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی کا نام لکھا ہے جو مخلوق میں سے تجھے سب سے محبوب ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے آدم تو نے سچ کہا ہے۔ وہ ساری مخلوق میں سے مجھے زیادہ محبوب ہیں۔ چونکہ تو نے مجھ سے ان کے حق کے ساتھ مانگا ہے تو میں نے تجھے معاف کر دیا ہے۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔''(المستدرك على الصحيحين للحاكم : ٦١٤/٢، ٦١٥، ح : ٤٢٢٨، المعجم الصغير للطبرانی : ٩٩٢، المعجم الاوسط للطبرانی : ٦٥٠٢، دلائل النبوة للبيهقی : ٤٨٨/٥، تاريخ ابن عساكر : ٤٣٧/٧)

تبصرہ: یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے۔ جب امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح الاسناد'' کہا تو ان کے ردّ میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا: **بل موضوع .**

''بلکہ یہ روایت تو موضوع (من گھڑت) ہے۔''(تلخيص المستدرك للذهبی : ٦١٥/٢)

اور جب حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے **باطل**(ميزان الاعتدال : ٥٠٤/٢، ت : ٤٦٠٤) کہا تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کے اس حکم کو برقرار رکھا۔(لسان الميزان لابن حجر : ٣٥٩/٣، ٣٦٠)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وفيه من لم أعرفهم .** ''اس روایت

میں کئی راوی ایسے ہیں جنہیں میں نہیں پہچانتا۔‘‘(مجمع الزوائد للهيثمی : ۳۵۳/۸)

حافظ سیوطی نے اس روایت کو’’ضعیف‘‘ قرار دیا ہے۔

(مناهل الصفا فی تخريج احاديث الشفا : ۹۶)

ملاعلی قاری حنفی نے بھی اسے’’ضعیف‘‘ کہا ہے۔(شرح الشفا للقاری : ۲۲٤/۲)

قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بھی اسے’’ضعیف‘‘ کہا ہے۔

(خطبات حکیم الاسلام : ۱۲۵/۲)

غلام رسول سعیدی بریلوی صاحب نے بھی اسے’’ضعیف‘‘تسلیم کیا ہے۔

(شرح صحیح مسلم از سعیدی : ۵۹/۷)

اس کا راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم جمہور کے نزدیک’’ضعیف ومتروک‘‘ ہے۔

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **والأكثر على تضعيفه .**

’’جمہور محدثین کرام اس کو ضعیف کہتے ہیں۔‘‘(مجمع الزوائد : ۲۱/۲)

حافظ ابنِ ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ضعّفه الكلّ .** ’’اسے سب نے ضعیف قرار دیا ہے۔‘‘(البدر المنير : ٤٥۸/۵)

اس کو امام احمد بن حنبل ، امام علی بن المدینی ، امام بخاری ، امام یحییٰ بن معین ، امام نسائی ، امام ابو حاتم الرازی ، امام ابو زرعہ الرازی ، امام ابنِ سعد ، امام ابنِ خزیمہ ، امام ابنِ حبان ، امام ساجی ، امام طحاوی حنفی ، امام جوزجانی رحمہم اللہ وغیرہم نے’’ضعیف‘‘ قرار دیا ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **روى عن أبيه أحاديث موضوعة .**

’’اس نے اپنے باپ سے موضوع (من گھڑت) احادیث بیان کی ہیں۔

(المدخل للحاكم : ١٥٤)

یہ حدیث بھی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ زید بن اسلم سے روایت کی ہے، لہٰذا یہ بھی موضوع (من گھڑت) ہے۔

اس کے دوسرے راوی عبداللہ بن مسلم فہری کے بارے میں حافظ ذہبی فرماتے ہیں :

ولا أدری من ذا ؟ ''میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟''

(تلخیص المستدرک للذہبی : ۲/۶۱۵)

تنبیہ نمبر ① : یہی روایت اسی سند سے امام ابوبکر آجری نے اپنی کتاب الشریعة (ص ۴۲۷) میں موقوفاً بھی ذکر کی ہے۔

تنبیہ نمبر ② : یہ روایت بعض الناس کو کوئی فائدہ نہیں دے گی کیونکہ یہی لوگ یہ من گھڑت روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کا نور پیدا کیا۔اس روایت کو صحیح ثابت کرنے پر تو اہل بدعت نے اپنا پورا زور صرف کر دیا ہے لیکن اہل حق سے ان کو منہ کی کھانا پڑی ہے۔

اگر اس نور والی روایت کو صحیح مانیں تو زیر بحث روایت باطل ہو جائے گی۔ دونوں میں سے کسی ایک کو جھوٹ ماننا ہی پڑے گا۔زیر بحث روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ ابھی میں نے محمد ﷺ کو پیدا نہیں کیا تو تم نے انہیں کیسے پہچان لیا؟اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت تک محمد ﷺ پیدا نہیں ہوئے تھے۔اب فیصلہ بعض الناس خود ہی کرلیں کہ کس جھوٹ کو اپنانا ہے اور کس کو چھوڑنا ہے!!!

روایت نمبر ④ : سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهٖ عَطَسَ آدَمُ، فَقَالَ : الْحَمْدُ لِلّٰهِ، فَقَالَ اللّٰهُ : حَمِدَنِي عَبْدِي، وَعِزَّتِي وَجَلَالِي ! لَوْلَا عَبْدَانِ أُرِيدُ أَنْ أَخْلُقَهُمَا فِي دَارِ الدُّنْيَا مَا خَلَقْتُكَ، قَالَ : إِلٰهِي ! فَيَكُونَانِ مِنِّي؟ قَالَ : نَعَمْ يَا آدَمُ ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَانْظُرْ، فَرَفَعَ

رَأْسَهٗ، فَإِذَا هُوَ مَكْتُوبٌ عَلَى الْعَرْشِ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ، نَبِيُّ الرَّحْمَةِ ....») ''جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان میں اپنی روح پھونکی تو ان کو چھینک آئی۔ انہوں نے الحمد للہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے میری تعریف کی ہے۔ میری عزت اور میرے جلال کی قسم! اگر دو بندوں کو دنیا میں پیدا کرنے کا ارادہ نہ ہوتا تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔ آدم نے عرض کیا: اے میرے الٰہ! کیا وہ دونوں میری ہی نسل سے ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں اے آدم! سر اٹھا اور دیکھ، آدم نے سر اٹھایا تو عرش پر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ، نَبِيُّ الرَّحْمَةِ لکھا ہوا تھا۔۔۔۔'' (المناقب للموفق الخوارزمی، ص : ۳۱۸، الجواهر السنية فی الأحاديث القدسية للحر العاملی : ۲۹۲، ۲۹۳)

تبصرہ: یہ جھوٹی روایت ہے کیونکہ:

① موفق رافضی شیعہ ہے۔ اس کی کوئی توثیق ثابت نہیں۔

② ابو محمد ہارون بن موسیٰ تلعکبری کی اگرچہ شیعہ کتب میں توثیق موجود ہے لیکن اہل سنت کی کتابوں میں اس کی توثیق موجود نہیں، اس کے برعکس حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: **رواية للمناكير ، رافضي .**

''یہ کثرت سے منکر روایات بیان کرنے والا اور رافضی شخص ہے۔''

(ميزان الاعتدال للذهبی : ۲۸۷/٤، ت : ۹۱۷٤)

③ فیجان عطار ابو نصر کا کوئی اتا پتا نہیں چلا۔

④ ربیع بن جراح راوی بھی نامعلوم ہے۔

⑤ سلیمان بن مہران اعمش کی ''تدلیس'' بھی موجود ہے۔

⑥ عبد العزیز بن عبد اللہ، جعفر بن محمد اور عبد الکریم نام کے راویوں کا تعین اور

ان کی توثیق درکار ہے۔

⑦ ابن شاذان کی شیعہ کتب میں تعریف موجود ہے مگر اہل سنت کی کتابوں میں ایسا کچھ نہیں ہے۔ اس کے برعکس حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی ایک روایت کو جھوٹ قرار دیا ہے۔(میزان الاعتدال للذہبی : ٤٦٦/٣)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے : **ولقد ساق أخطب خوارزم من طريق هذا الدجّال ابن شاذان ، أحاديث كثيرة باطلة سمجة ركيكة في مناقب السيّد عليّ رضي الله عنه .** ''اخطب خوارزم نے اس دجال ابن شاذان کی سند سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں بہت سی باطل ، بے تکی اور بے ہودہ روایات بیان کی ہیں۔''(میزان الاعتدال : ٤٦٧/٣)

اس روایت میں اور بھی خرابیاں موجود ہیں۔

روایت نمبر ⑤ : سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں :

لمّا خلق الله تعالى آدم ونفخ فيه من روحه عطس ، فألهمه الله : ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ، فقال له ربّه : يرحمك ربّك ، فلمّا أسجد له الملائكة تداخله العجب ، فقال : يا ربّ ! خلقت خلقا أحبّ إليك منّى ؟ فلم يجب ، ثمّ قال الثانية ، فلم يجب ، ثمّ قال الثالثة ، فلم يجب ، ثمّ قال الله عزّ وجلّ له : نعم ، ولولاهم ما خلقتك ، فقال : يا ربّ ! فأرنيهم ، فأوحى الله عزّ وجلّ إلى ملائكة الحجب أن ارفعوا الحجب ، فلمّا رفعت إذا آدم بخمسة أشباح قدّام العرش ، فقال : يا رب ! من هؤلاء ؟ قال : يا آدم ! هذا محمّد نبيّى، وهذا عليّ أمير المؤمنين ابن عمّ نبيّى ووصيّه ، وهذه فاطمة ابنة نبيّى ، وهذان الحسن والحسين ابنا عليّ وولدا نبيّى ، ثمّ قال : يا آدم ! هم ولدك ، ففرح

بذلک ، فلمّا اقترف الخطیئة قال : یا رب ! أسألک بمحمّد وعلیّ وفاطمة والحسن والحسین لما غفرت لی ، فغفر اللّٰہ له بهذا .

''جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا اور ان میں اپنی روح پھونکی تو انہوں نے چھینک ماری۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں الہام کیا کہ وہ الحمد للہ رب العلمین کہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھ پر تیرا رب رحم کرے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے انہیں سجدہ کرایا تو ان میں تکبر آیا اور انہوں نے کہا: اے میرے رب! کیا تو نے کوئی ایسی مخلوق بھی پیدا کی ہے جو تجھے مجھ سے بڑھ کر محبوب ہو؟ اللہ تعالیٰ نے کوئی جواب نہ دیا۔ انہوں نے دوسری مرتبہ یہی سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے پھر جواب نہ دیا۔ تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں، اگر وہ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔ آدم نے عرض کیا: اے میرے رب! میری ان سے ملاقات کرا دے۔ اللہ تعالیٰ نے حجاب کے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ حجاب اٹھا دو۔ جب پردے اٹھ گئے تو آدم نے دیکھا کہ عرش کے سامنے پانچ مورتیاں نظر آئیں۔ انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب! یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ (پہلے) میرے نبی محمد (ﷺ) ہیں، (دوسرے) امیر المومنین اور میرے نبی کے چچازاد اور وصی علی ہیں، (تیسری) میرے نبی کی بیٹی فاطمہ ہیں اور (چوتھے، پانچویں) علی کے بیٹے اور میرے نبی کے نواسے حسن وحسین ہیں۔ پھر فرمایا: اے آدم! یہ تیری اولاد ہیں۔ اس سے آدم خوش ہو گئے۔ جب آدم نے گناہ کا ارتکاب کیا تو کہا: اے میرے رب! میں تجھ سے محمد، علی، فاطمہ، حسن اور حسین کے واسطے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔'' (الیقین لعلی بن موسیٰ بن طاؤس الحسنی : ۱۷۴، ۱۷۵)

تبصرہ : یہ روایت جھوٹ کا پلندا ہے اور کسی مجہول رافضی، شیعہ اور دشمنِ صحابہ کی کارستانی ہے۔ اس روایت میں علی بن ابراہیم قاضی اور اس کے باپ سمیت کئی

راوی بالکل مجہول اور نامعلوم ہیں۔نیز ابو احمد جرجانی قاضی راوی بھی موجود ہے۔اگر اس سے مراد محمد بن علی بن عبدل ہے تو وہ ''متہم بالکذب'' راوی ہے۔

(الموضوعات لابن الجوزی:۳۴۹/۱)

اگر یہ محمد بن محمد بن مکی ہے تو وہ بھی ''ضعیف'' راوی ہے۔اسی طرح حجاج نامی راوی بھی اس میں موجود ہے۔اگر اس سے مراد حجاج بن ارطاۃ ہے تو وہ بھی ''ضعیف و مدلس'' راوی ہے۔اسی طرح اس سند میں ابن ابی نجیح ''مدلس'' بھی ہے۔نیز علی بن موسیٰ بن طاؤس حسنی راوی رافضی ہے۔اس کی نقل کا کوئی اعتبار نہیں۔

قارئین کرام ہی فیصلہ فرمائیں کہ جس سند میں اس قدر جہالتیں اور قباحتیں موجود ہوں اور جس روایت میں رافضی عقائد جھلک رہے ہوں، اسے بطور دلیل ذکر کرنا بھلا کسی اہل سنت کو زیب دیتا ہے؟

روایت نمبر ⑥ : سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لمّا خلق اللّٰه آدم ونفخ فيه الروح عطس آدم ، فألهم أن قال : الحمد للّٰه ربّ العلمين ، فأوحى اللّٰه إليه : يا آدم ! حمدتّني ، فوعزّتي وجلالي ، لولا عبدان أريد أن أخلقهما في آخر الدنيا ما خلقتك .**

''جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا اور ان میں روح پھونکی تو انہوں نے چھینک ماری۔ان کو الہام ہوا کہ وہ الحمدللہ رب العلمین کہیں۔پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اے آدم! تو نے میری تعریف کی ہے۔میری عزت اور میرے جلال کی قسم! اگر میں نے دنیا کے آخر میں دو بندوں کو پیدا کرنے کا ارادہ نہ کیا ہوتا تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔''

(بشارة المصطفٰى لمحمد الطبري الرافضي، ص : ۱۱٦، ۱۱۷، الجواهر النسية في الأحاديث القدسيّة للحر العاملي، ص : ۲۷۳)

تبصرہ : یہ سراسر جھوٹی روایت ہے کیونکہ:

① حسین بن حسن اشقر راوی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔ اس کے بارے میں **امام بخاری** رحمہ اللہ نے ''**فیہ نظر**'' فرمایا ہے۔(التاریخ الکبیر للبخاری : ۳۸۵/۲)

نیز فرماتے ہیں: **عندہٗ مناکیر .** ''**یہ منکر روایات بیان کرتا ہے۔**''

(التاریخ الصغیر للبخاری : ۲۹۱/۲)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **منکر الحدیث ، وکان صدوقا .**
''**یہ تھا تو سچا لیکن روایات منکر بیان کرتا تھا۔**''(سوالات ابن ھانی : ۲۳۵۸)

امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ھو شیخ منکر الحدیث .**
''**یہ شیخ منکر الحدیث تھا۔**''(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۵۰/۳)

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لیس بقويّ فی الحدیث .**
''**فن حدیث میں چنداں مضبوط نہیں۔**''(الجرح والتعدیل : ۴۹/۳)

امام جوزجانی فرماتے ہیں: **غال من الشتّامین للخیرۃ .**
''**غالی رافضیوں اور صحابہ کرام پر سب وشتم کرنے والوں میں سے تھا۔**''

(احوال الرجال للجوزجانی : ۹۰)

امام دارقطنی رحمہ اللہ(الضعفاء والمتروکین : ۱۹۵)**اور امام نسائی** رحمہ اللہ(الضعفاء المتروکین : ۱٤٦)نے اسے ''لیس بالقوی'' کہا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وھو شیعی جلد ، وضعّفه غیر واحد .**
''**یہ کٹر شیعہ تھا۔ اسے کئی ایک محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔**''

(البدایة والنھایة لابن کثیر : ۸٦/٦)

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: **وضعّفه الجمھور .** ''**اسے جمہور محدثین**

کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (مجمع الزوائد : ٦/٨٢، ٩/١٠٢)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔ (فتح الباری لابن حجر : ٦/٤٦٧)

حافظ سیوطی کہتے ہیں : **حسین الأشقر متّهم .** ''حسین اشقر متہم بالکذب راوی ہے۔'' (ذیل الأحادیث الموضوعة، ص : ٥٨)

② اس کی سند میں سلیمان بن مہران اعمش راوی ''مدلس'' ہے۔

③ محمد بن علی بن خلف عطار سے نیچے کے سب راویوں کی توثیق ثابت نہیں ہو سکی، مثلاً عبید بن موسیٰ رویانی، ابو الحسن احمد بن محمد بن اسحاق، ابو یعقوب اسحاق بن محمد بن عمران خباز، محمد بن احمد بن یوسف، ابو محمد عبد الملک بن محمد بن احمد بن یوسف، ابو سعید محمد بن احمد بن حسین نیشاپوری خزاعی، ابو نجم محمد بن عبد الوہاب بن عیسیٰ سمان رازی۔

کیا اس قدر خرابیوں کے واضح ہو جانے کے بعد بھی اس روایت کے جھوٹ ہونے میں کسی عقلمند کو کوئی شبہ رہ سکتا ہے؟

تنبیہ : روایت **لولاک ما خلقت الأفلاک** کو علامہ صنعانی نے ''موضوع'' کہا ہے۔ (الموضوعات للصنعانی : ٥١)

دنیا کی کسی کتاب میں اس کی کوئی سند نہیں مل سکی، نہ اہل سنت کی کسی کتاب میں نہ شیعہ کی کسی کتاب میں۔ اس کے باوجود بعض لوگ اس پر اپنے عقیدے کی بنیاد رکھے ہوئے ہیں۔ اسے محمد باقر مجلسی رافضی شیعہ نے اپنی کتاب **بحار الأنوار** (١٥/٢٨، ٥٤/١٩٩) میں ابو الحسن البکری کی کتاب **کتاب الأنوار** کے حوالے سے بے سند ذکر کیا ہے۔ اگر کسی کے پاس اس کی کوئی سند ہے تو ہمیں پیش کرے، ورنہ یہ بات تو طے ہے کہ بے سند روایات وہی لوگ پیش کرتے ہیں جن کی اپنی کوئی سند نہیں ہوتی۔

ہم نے اہل سنت اور روافض کی کتابوں میں موجود چھ مرفوع اور موقوف روایات پر

تبصرہ کر کے ان کا باطل ہونا آشکارا کر دیا ہے۔ اگر دنیا میں کسی کے پاس ان چھ روایات کے علاوہ کوئی اور باسند روایت ہے تو وہ پیش کرے۔

فقہ حنفی اور حدیث ''لولاك'' :

حنفی مذہب کی معتبر کتب میں لکھا ہے: وفی جواهر الفتاوی : هل يجوز أن يقال : لولا نبيّنا محمّد صلّى الله عليه وسلّم لما خلق الله آدم ؟ قال : هذا شيء يذكره الوعّاظ على رؤوس المنابر ، يريدون به تعظيم نبيّنا محمّد صلّى الله عليه وسلّم ، والأولى أن يحترز عن مثل هذا ، فإنّ النبيّ عليه الصلاة والسلام ، وإن كان عظيم المنزلة والرتبة عند الله ، فإنّ لكلّ نبيّ من الأنبياء عليهم الصلاة والسلام منزلة ومرتبة ، وخاصّة ليست لغيره ، فيكون كلّ نبيّ أصلا بنفسه .

''جواہر الفتاویٰ میں سوال ہے کہ کیا یہ کہنا جائز ہے کہ اگر ہمارے نبی محمد ﷺ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو پیدا نہ کرتا؟ جواب یہ دیا گیا: یہ ایسی چیز ہے جو واعظین منبروں پر چڑھ کر بیان کرتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد ہمارے نبی محمد ﷺ کی تعظیم کرنا ہوتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ایسی باتوں سے احتراز کیا جائے کیونکہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند مقام اور مرتبہ رکھتے تھے لیکن ہر نبی کو بھی ایک مقام اور مرتبہ حاصل تھا اور ہر نبی کے پاس کوئی نہ کوئی ایسی خصوصیت تھی جو دوسرے کسی کے پاس نہ تھی۔ لہٰذا ہر نبی کا اپنا ایک مستقل مقام ہے۔'' (الفتاوى التاتارخانيّة : ٥/٤٨٥)

اس کے باوجود بعض لوگ ان جھوٹی روایات کو اپنے اسبابِ شکم پروری کو دوام بخشنے اور اکل وشرب کی دکان کو چمکانے کے لیے برسرِ منبر بیان کرتے ہیں۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح راستے کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

مقتدی بھی سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے گا جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

[كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ، يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ، ثُمَّ يَقُولُ : سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، حِينَ يَرْفَعُ صُلْبَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ، ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ : رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ]

''رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے، پھر جب رکوع جاتے تو اللہ اکبر کہتے، پھر جب رکوع سے اپنی کمر مبارک اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے، پھر کھڑے کھڑے ربنا لک الحمد کہتے۔''(صحيح البخاري : ٧٨٩)

اس حدیث کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ کی پیروی اسی میں ہے کہ نمازی خواہ وہ امام ہو، مقتدی ہو یا منفرد، ہر صورت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ کہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: «وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي»

''نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔''

(صحيح البخاري : ٦٣١)

جب رسول اللہ ﷺ سمع اللہ لمن حمدہ کے الفاظ فرماتے تھے تو ہر نمازی کو آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق آپ کی پیروی میں سمع اللہ لمن حمدہ کے الفاظ کہنے چاہیں۔

حافظ نووی رحمہ اللہ اسی حدیث کو اسی مسئلے میں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فيقتضى هذا مع ما قبله أنّ كلّ مصلّ يجمع بينهما ، ولأنّه ذكر يستحبّ للإمام فيستحبّ لغيره كالتسبيح فى الركوع وغيره ، ولأنّ الصلاة مبنيّة على أن لا يفتر عن الذكر فى شيء منها فإن لم يقل بالذكرين فى الرفع والاعتدال

بقى أحد الحالين خاليا عن الذكر .

''یہ حدیث پہلی ذکر کردہ احادیث سے مل کر یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہر نمازی سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد دونوں کو جمع کرے۔نیز سمع اللہ لمن حمدہ ایک ذکر ہے جو امام کے لیے مستحب ہے لہٰذا یہ مقتدی کے لیے بھی مستحب ہو گا جیسا کہ رکوع وغیرہ میں تسبیح امام بھی پڑھتا ہے اور مقتدی بھی۔اس لیے بھی مقتدی سمع اللہ لمن حمدہ کہے گا کہ نماز کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اس کا کوئی حصہ بھی ذکر سے خالی نہ ہو۔اگر نمازی سر اٹھاتے اور سیدھا کھڑا ہوتے وقت دونوں حالتوں میں دو ذکر نہ کرے گا تو اس کی ایک حالت ذکر سے خالی رہ جائے گی۔۔۔''

(المجموع شرح المهذب للنووي : ٣/٤٢٠)

معلوم ہوا کہ جس طرح امام کی نماز ہے ، اسی طرح مقتدی کی نماز ہے سوائے ان چیزوں کے جن میں کوئی استثنیٰ ثابت ہو جائے۔سمع اللہ لمن حمدہ کے متعلق کوئی استثنیٰ ثابت نہیں۔بعض لوگ محض قیاسات سے کام چلاتے ہوئے مقتدی کو ان الفاظ کی ادائیگی سے روکتے ہیں۔ان کی دلیل ملاحظہ فرمائیں :

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا قَالَ الإِمَامُ : سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَقُولُوا : اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ» ''جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو پھر تم اللهم ربنا لک الحمد کہو۔''

(صحيح البخاري : ٧٩٦، صحيح مسلم : ٤٠٩)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: «إِذَا قَالَ الْإِمَامُ : سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَلْيَقُلْ مَنْ وَّرَاءَهُ : اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ»

''جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو اس کے مقتدی اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہیں۔''(سنن الدارقطني : ١/٣٣٨، ح : ١٢٧١، وسندهٗ حسنٌ)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **إذا قال الإمام : سمع اللّٰہ لمن حمدهٗ ، قال من خلفه : اللّٰهمّ ربّنا لک الحمد .**

''جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو مقتدی اللھم ربنا لک الحمد کہیں۔''

(مصنف ابن أبي شیبة : ۲۵۲/۱، وسندهٗ صحیحٌ)

لیکن اس حدیث اور اس اثر میں مقتدی کو سمع اللہ لمن حمدہ کہنے سے روکا قطعاً نہیں گیا بلکہ اس میں تو مقتدی کو ربنا ولک الحمد کہنے کا وقت اور مقام بتایا گیا ہے کہ وہ امام کے سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد ربنا ولک الحمد کہے جیسے مقتدی کو آمین کہنے کا وقت اور مقام بتانے کے لیے فرمایا گیا کہ جب امام **غیر المغضوب علیهم ولا الضالّین** کہے تو تم آمین کہو۔

(صحیح البخاري : ۷۸۲)

بعینہٖ یہی صورتِ حال اس مسئلے کی بھی ہے۔لہٰذا مذکورہ حدیث و اثر سے یہ مسئلہ کشید کرنا درست نہیں کہ امام **اللّٰھم ربنا لک الحمد** نہ کہے یا مقتدی **سمع الله لمن حمده** نہ کہے۔

حافظ نووی رحمہ اللہ اس استدلال کا ردّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأمّا الجواب عن قوله صلّی اللّٰه علیه وسلّم : وإذا قال : سمع اللّٰه لمن حمده فقولوا ربّنا لک الحمد ، فقال أصحابنا : فمعناه : قولوا : ربّنا لک الحمد مع ما قد علمتموه من قول سمع اللّٰه لمن حمده ، وإنّما خصّ هذا بالذکر لأنّهم کانوا یسمعون جهر النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم بسمع اللّٰه لمن حمده ، فإنّ السنّة فیه الجهر ، ولا یسمعون قوله : ربّنا لک الحمد ، لأنّه یأتی به سرّا کما سبق بیانه ، وکانوا یعلمون قوله صلّی اللّٰه علیه وسلّم : صلّوا کما رأیتمونی أصلّی ، مع قاعدة التأسّی به صلّی اللّٰه علیه وسلّم مطلقا ، وکانوا یوافقون فی سمع اللّٰه لمن حمده ، فلم یحتج إلی الأمر به ، ولا یعرفون ربّنا

لک الحمد ، فأمروا به ، والله أعلم .

''رہی اس فرمانِ نبوی کی بات کہ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو تو ہمارے اصحاب کے بقول اس کا معنیٰ یہ ہے کہ سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بارے میں تو تمہیں معلوم ہی ہے ، ساتھ ہی ربنا لک الحمد بھی کہو۔اس حدیث میں مقتدی کے لیے صرف ربنا لک الحمد کا ذکر اس لیے ہے کہ صحابہ کرام نبی اکرم ﷺ سے سمع اللہ لمن حمدہ تو سن ہی لیتے تھے کیونکہ اس بارے میں طریقہ بلند آواز کا ہے لیکن وہ ربنا لک الحمد نہیں سنتے تھے کیونکہ آپ ﷺ اسے سری طور پر پڑھتے تھے۔صحابہ کرام کو نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی معلوم تھا کہ نماز اسی طرح پڑھو جیسے تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔پھر وہ اس قانون سے بھی متعارف تھے کہ نبی اکرم ﷺ کی اقتدا مطلق طور پر ضروری ہے۔ان امور کی بنا پر صحابہ کرام آپ ﷺ کے ساتھ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تھے ، لہٰذا اس کا حکم دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ربنا لک الحمد کا انہیں علم نہیں تھا ، اس لیے اس کا حکم دے دیا گیا۔واللہ اعلم !''

(المجموع شرح المهذب للنووي : ٤٢٠/٣)

شارحِ بخاری حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (٧٧٣-٨٥٢ھ) فرماتے ہیں :

استدلّ به على أنّ الإمام لا يقول : ربّنا لک الحمد ، وعلى أنّ المأموم لا يقول : سمع الله لمن حمده لكون ذلک لم يذكر فى هذه الرواية ، كما حكاه الطحاوى ، وهو قول مالک وأبى حنيفة ، وفيه نظر ، لأنّه ليس فيه ما يدلّ على النفى ، بل فيه أنّ قول المأموم : ربّنا لک الحمد يكون عقب قول الإمام : سمع الله لمن حمده ، والواقع فى التصوير ذلک لأنّ الإمام يقول التسميع فى حال انتقاله والمأموم يقول التحميد فى حال اعتداله ، فقوله يقع عقب قول الإمام كما فى الخبر ، وهذا الموضع يقرب من مسألة التأمين كما تقدّم من أنّه لا يلزم من قوله

: إذا قال : ولا الضالين ، فقولوا : آمین ، أنّ الإمام لا یؤمّن بعد قوله ولا الضالین ...

''اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ امام ربنا لک الحمد نہیں کہے گا اور مقتدی سمع اللہ لمن حمدہ نہیں کہے گا کیونکہ اس روایت میں اس کا ذکر نہیں۔امام طحاوی نے یہ بات نقل کی ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب ہے۔لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اس حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں جس سے (امام کے لیے ربنا لک الحمد کی اور مقتدی کے لیے سمع اللہ لمن حمدہ کی)نفی معلوم ہو بلکہ اس حدیث میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ مقتدی ربنا لک الحمد اس وقت کہے جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہہ چکا ہو۔حقیقت میں ہوتا بھی ایسے ہی ہے کہ امام سمع اللہ لمن حمدہ رکوع سے اٹھتے وقت کہتا ہے اور مقتدی ربنا لک الحمد اس کے سیدھا کھڑا ہونے کے وقت کہتا ہے۔چنانچہ اس کا ربنا لک الحمد کہنا امام کے سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد ہی واقع ہوتا ہے، یہی بات اس حدیث میں بیان ہوئی ہے۔یہ مسئلہ آمین والے مسئلے کے قریب قریب ہے۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، یہ لازم نہیں آتا کہ امام ولا الضالین کہنے کے بعد آمین نہیں کہہ سکتا۔۔۔۔'' (فتح الباري لابن حجر : ۲/۲۸۳)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیں علامہ سیوطی کی کتاب الحاوی للفتاوی (۱/۳۲)

ہمارے موقف کی تائید اسی حدیث کے دوسرے الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کے الفاظ یہ ہیں : «إِذَا قَالَ الْإِمَامُ : سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، فَلْيَقُلْ مَنْ وَّرَاءَهٗ : سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ»

''جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو اس کے مقتدی بھی سمع اللہ لمن حمدہ کہیں۔''

(سنن الدارقطني : ۱/۳۳۸، ح : ۱۲۷، وسندهٗ حسنٌ)

اسی طرح عظیم تابعی امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ (۳۳۔۱۱۰ھ) فرماتے ہیں :

إذا قال : سمع الله لمن حمدهٗ ، قال من خلفه : سمع الله لمن حمده ،

ربّنا لک الحمد . ''جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو اس کے پیچھے والے لوگ یہ کہیں: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ۔''

(مصنف ابن أبي شيبة : ٢٥٢/١، سنن الدارقطني : ٣٤٤/١، وسندهٗ صحيحٌ)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وبه يقول الشافعي وإسحاق .**

''امام شافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ) اور امام اسحاق بن راہویہ (۱۶۱۔۲۳۸ھ) کا یہی مذہب ہے۔''

(سنن الترمذي، تحت الحديث : ٢٦٧)

اس کے برعکس امام عامر شعبی رحمہ اللہ (توفي بعد :۱۰۰ھ) فرماتے ہیں:

لا يقل القوم خلف الإمام : سمع اللّٰه لمن حمدهٗ ، ولكن ليقولوا : اللّٰهمّ ربّنا لک الحمد . ''لوگ امام کے پیچھے سمع اللہ لمن حمدہ نہ کہیں بلکہ وہ اللھم ربنا لک الحمد ہی کہیں۔'' (مصنف ابن أبي شيبة : ٢٢٥/١، وسندهٗ صحيحٌ)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۱۶۴۔۲۴۱ھ) کا بھی یہی مذہب ہے۔

(مسائل الإمام أحمد وإسحاق : ٨٥٢)

ہماری ذکر کردہ تحقیق کے مطابق امام عامر شعبی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کا یہ اجتہاد مرجوح ہے۔ یہ دونوں ائمہ کرام اپنے اجتہاد پر ماجور اور اللہ تعالیٰ کے ہاں معذور ہیں۔ ثقہ ائمہ دین کے مرجوح اجتہادات بارے میں مسلمانوں کا یہی نظریہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راہِ حق اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

الحاصل : احادیث کی روشنی میں صحیح اور راجح موقف یہی ہے کہ مقتدی بھی سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہیں گے۔

۞۞۞۞۞۞۞

شراب باجماعِ مسلمین حرام ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاجْتَنِبُوهُ﴾ (المائدة : ۹۰) ''تم اس سے بچو۔''

رسول اللہ ﷺ سے شراب کو بطور دوائی استعمال کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ولكنّه داء . ''یہ تو الٹا بیماری ہے۔''

(صحيح مسلم : ۱٦۳/۲، ح : ۱۹۸٤)

خلیفہ سوم سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اجتنبوا الخمر ، فإنّها أمّ الخبائث . ''شراب سے بچو کیونکہ یہ اُمّ الخبائث (بیماریوں کی جڑ) ہے۔''

(سنن النسائی : ۵٦٦۹، السنن الکبریٰ للبیھقی : ۲۸۸/۸، وسندہٗ صحیحٌ)

قرآن و حدیث ، اجماعِ امت اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے فرمان کے خلاف شراب خانہ خراب کو جائز قرار دینے کے لیے فقہ حنفی کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

إنّ ما يتّخذ من الحنطة والشعير والعسل والذرة حلال عند أبي حنيفة ، ولا يحدّ شاربه عنده ، وإن سكر منه . ''گندم، جَو، شہد اور مکئی سے جو شراب بنائی جائے وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلال ہے۔امام صاحب کے نزدیک ایسی شراب پینے والے کو حد نہیں لگے گی، اگرچہ اس کو نشہ بھی ہو جائے۔''(الهداية : ٤۹٦/۲)

ابوعوانہ بیان کرتے ہیں: **سمعت أبا حنيفة ، وسئل عن الأشربة ، قال : فما سئل عن شيء منها إلّا قال : حلال ، حتّى سئل عن السكر ، فقال : حلال .** ''میں نے امام ابوحنیفہ کو سنا، ان سے شراب کے بارے میں پوچھا گیا۔

ان سے شراب کی جس بھی قسم کے بارے میں پوچھا گیا، ان کا جواب یہی تھا کہ حلال ہے۔ حتی کہ ان سے نشہ آور کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: حلال ہے۔''

(تاریخ بغداد للخطیب البغدادی : ۴۱۲/۱۳، وسندهٔ صحیحٌ)

جناب تقی عثمانی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں : ''انگور کی شراب کے علاوہ دوسری نشہ آور اشیاء کو اتنا کم پینا جس سے نشہ نہ ہو، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قوت حاصل کرنے کے لیے جائز ہے۔''(تقلید کی شرعی حیثیت از تقی : ۱۰۷، ۱۰۸)

جب شراب سے ہمارے اللہ نے بچنے کا حکم دیا ہے، ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سراسر بیماری قرار دیا ہے، نیز خلیفہ راشد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ بیماریوں کی جڑ ہے تو تھوڑی مقدار میں پینے کا جواز کہاں سے آ گیا؟ اربابِ دانش خود فیصلہ کریں کہ کیا یہ فقہ حنفی کی طرف سے لوگوں کو شرابی بنانے کی ناکام اور مذموم سعی نہیں ہے؟ حالانکہ شراب کی خرید و فروخت ممنوع اور حرام ہے۔ انگور وغیرہ کی شراب کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دینے کی کیا دلیل ہے؟ شراب کی تو ہر قسم اور ہر مقدار حرام ہے۔ فرامین نبوی ملاحظہ فرمائیے :

۞ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ ، فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ» ''جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ دے، اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔''(سنن أبي داوٗد : ۳۶۸۱، سنن الترمذي : ۱۸۶۵، وقال : حسن غریبٌ، سنن ابن ماجه : ۳۳۹۳، وسندهٔ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن جارود رحمہ اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

۞ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ، وَشَارِبَهَا، وَسَاقِيهَا، وَبَائِعَهَا، وَمُبْتَاعَهَا، وَعَاصِرَهَا، وَمُعْتَصِرَهَا، وَحَامِلَهَا، وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ»

''اللہ تعالیٰ نے شراب پر اور شراب پینے والے، پلانے والے، فروخت کرنے والے، خریدنے والے، نچوڑنے والے، اٹھا کر لے جانے والے اور جس کی طرف اٹھا کر لے جائی جا رہی ہے، سب پر لعنت فرمائی ہے۔''(سنن أبي داوٗد : ٣٦٧٤، سنن ابن ماجه : ٣٣٨٠، وسندهٗ حسنٌ)

❁ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«اِجْتَنِبُوا الْخَمْرَ، فَإِنَّهٗ مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ»

''شراب سے بچو کیونکہ یہ ہر برائی کی کنجی ہے۔''(المستدرك على الصحيحين للحاكم : ١٦٢/٤، ح : ٧٢٣، شعب الإيمان للبيهقي : ١٠/٥، ح : ٥٥٠٨، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کا راوی عمرو بن ابی عمرو جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ثقہ'' ہے۔

❁ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں سوال کیا:

[يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! إِنَّا بِأَرْضٍ يُّصْنَعُ فِيهَا شَرَابٌ مِّنَ الْعَسَلِ، يُقَالُ لَهٗ : الْبِتْعُ، وَشَرَابٌ مِّنَ الشَّعِيرِ، يُقَالُ لَهٗ : الْمِزْرُ]

''اے اللہ کے رسول! ہم ایسے علاقے میں رہتے ہیں جہاں شہد کی شراب بنائی جاتی ہے اور اس کو بِتع کا نام دیا جاتا ہے اور جَو کی شراب بھی بنائی جاتی ہے اور اسے مِزر کا نام دیا جاتا ہے۔'' اس پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب یہ تھا:

«كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ» ''ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔''

(صحيح البخاري : ٦١٢٤، صحيح مسلم : ١٧٣٣، بعد الرقم : ٢٠٠١ من حديث أبي بردة)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان بھی ملاحظہ فرمائیں، وہ کہتے ہیں: میں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو منبر رسول پر یہ فرماتے ہوئے سنا: [أَمَّا بَعْدُ، أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّهٗ نَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ، وَهِيَ مِنْ خَمْسَةٍ : مِنَ الْعِنَبِ، وَالتَّمْرِ،

وَالْعَسَلِ، وَالْحِنْطَةِ، وَالشَّعِيرِ، وَالْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ]

''اما بعد، اے لوگو! بلاشبہ شراب کی حرمت نازل ہوئی تو اس وقت یہ ان پانچ چیزوں سے بنتی تھی: انگور سے، کھجور سے، شہد سے، گندم سے اور جَو سے۔ جو چیز عقل کو ڈھانپ دے وہ شراب ہے۔'' (صحيح البخاري: ٤٦١٩، صحيح مسلم: ٣٠٣٢)

ان احادیث و آثار سے یہ بات ثابت ہوئی کہ شراب کی ہر قسم اور ہر مقدار حرام ہے۔ ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور جس مشروب کے سو گلاس نشہ کریں، اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے۔ جب شراب بقولِ رسول بیماری ہے تو اسے قوت حاصل کرنے کے لیے استعمال کرنا کیسے عقل و شعور کے مطابق ہوا؟

ان دلائل کے خلاف فقہ حنفی کا ایک اور فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

إذا شرب تسعة أقداح من نبيذ التمر فأوجر العاشر ، فسكر ، لم يحدّ ، لأنّ السكر يضاف إلى ما هو أقرب إليه ، كذا في السراجيّة .

''جب آدمی کھجور کی نبیذ کے نَو پیالے اپنی مرضی سے پی لے، پھر دسواں پیالہ اسے دھمکا کر پلا دیا جائے اور اسے نشہ ہو جائے تو اس پر حد نافذ نہیں ہو گی کیونکہ نشہ قریبی پیالے کی طرف منسوب ہو گا۔ فتاویٰ سراجیہ میں اسی طرح ہے۔'' (فتاوی عالمگیری: ٤١٣/٥)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

«كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، وَمَا أَسْكَرَ مِنْهُ الْفَرَقُ، فَمِلْءُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ»

''ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جس چیز کا ایک فرق (ایک پیمانہ جو دو سیر چار چھٹانک کا ہوتا ہے) نشہ کرے، اس کی ایک ہتھیلی بھر مقدار بھی حرام ہے۔'' (مسند الإمام أحمد: ٨٢/٦، سنن أبي داوٗد: ٣٦٨٧، سنن الترمذي: ١٨٦٦، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن جارود (٨٦١) اور امام ابن حبان (٥٣٨٣) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

نو پیالے شراب ڈکار جانے والے اس فرمانِ نبوی کو بھول گئے ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں : [إِنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ وَعُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَنَاسًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، جَلَسُوا بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرُوا أَعْظَمَ الْكَبَائِرِ، فَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهُمْ فِيهَا عِلْمٌ، فَأَرْسَلُونِي إِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَسْأَلُهُ عَنْ ذٰلِكَ، فَأَخْبَرَنِي أَنَّ أَعْظَمَ الْكَبَائِرِ شُرْبُ الْخَمْرِ، فَأَتَيْتُهُمْ فَأَخْبَرْتُهُمْ، فَأَنْكَرُوا ذٰلِكَ، وَوَثَبُوا إِلَيْهِ جَمِيعًا، فَأَخْبَرَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : «إِنَّ مَلِكًا مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَخَذَ رَجُلًا، فَخَيَّرَهُ بَيْنَ أَنْ يَشْرَبَ الْخَمْرَ، أَوْ يَقْتُلَ صَبِيًّا، أَوْ يَزْنِيَ، أَوْ يَأْكُلَ لَحْمَ الْخِنْزِيرِ، أَوْ يَقْتُلُوهُ إِنْ أَبٰى، فَاخْتَارَ أَنَّهُ يَشْرَبُ الْخَمْرَ، وَأَنَّهُ لَمَّا شَرِبَ لَمْ يَمْتَنِعْ مِنْ شَيْءٍ أَرَادُوهُ مِنْهُ»، وَأَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَنَا حِينَئِذٍ : «مَا مِنْ أَحَدٍ يَّشْرَبُهَا ، فَتُقْبَلُ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً، وَلَا يَمُوتُ وَفِي مَثَانَتِهِ مِنْهَا شَيْءٌ إِلَّا حُرِّمَتْ عَلَيْهِ الْجَنَّةُ، وَإِنْ مَّاتَ فِي الْأَرْبَعِينَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً» .

''سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے سب سے بڑے گناہ کے بارے میں بات چیت شروع کی۔ انہیں اس بارے میں زیادہ علم نہ تھا۔ انہوں نے مجھے سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص کی طرف بھیجا کہ میں ان سے اس بارے میں دریافت کر کے آؤں۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص نے مجھے بتایا کہ سب سے بڑا گناہ شراب پینا ہے۔میں نے آ کر صحابہ کرام کو یہ بات بتائی تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور سب کے سب جلدی سے سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص کی طرف چلے گئے۔سیدنا عبداللہ بن عمرو نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ نے ایک آدمی کو پکڑا اور اسے اختیار دیا کہ کوئی ایک کام کر لے؛ یا شراب پیے، یا بچے کو قتل کرے، یا زنا کرے، یا خنزیز کا گوشت کھائے، ورنہ انکار کرنے پر وہ اسے قتل کر دیں گے۔اس نے شراب پینے کی حامی بھر لی۔ جب اس نے شراب پی لی تو اس نے وہ سارے کام بلا جھجک کر ڈالے جو وہ اس سے کروانا چاہتے تھے۔اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا: جو بھی شخص شراب پی لے گا، اللہ تعالیٰ چالیس دن اس کی نماز قبول نہیں کرے گا۔اور جو بھی اس حالت میں مرے گا کہ شراب اس کے مثانے میں ہوگی تو اس پر جنت حرام ہو جائے گی۔اگر کوئی شراب پینے کے بعد چالیس دنوں کے اندر مر جائے گا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔''

(الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم : ۸۱۰، المعجم الأوسط للطبراني : ۱۱٦/۱، ح : ۳٦۳، المستدرك على الصحيحين للحاكم : ۱٤۷/٤، ح : ۷۲۳٦، واللفظ لهٗ، وسندهٗ حسنٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو امام مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے اور حافظ منذری رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔(الترغیب والترھیب للمنذري : ۱۷۹/۳)

فیصلہ قارئین کرام پر ہے کہ وہ قرآن و سنت پر عمل کرتے ہوئے شراب خانہ خراب جیسی نجس و پلید چیز سے بچ جائیں گے یا فقہ حنفی پر عمل کرتے ہوئے اپنی دنیا و آخرت اپنے ہاتھوں سے برباد کریں گے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن و سنت ہی پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین!

****

مستقل قارئین کرام جانتے ہیں کہ ہم گزشتہ اقساط میں صحیح احادیث، فہم سلف اور فقہائے کرام کی تصریحات کے ذریعے یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔شریعت کی کوئی ایک دلیل بھی حلال جانوروں کے پیشاب کو ناپاک نہیں کہتی۔بعض لوگ اس حوالے سے جو مزعومہ دلائل پیش کرتے ہیں، ان کا تجزیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

دلیل نمبر ③: صفدر صاحب اپنی آخری دلیل میں لکھتے ہیں:

وفي مسند البزّار عن عبادة بن الصامت : سألنا رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عن البول ، فقال : إذا مسّكم شيء فاغسلوه ، فإنّي أظنّ أنّ منه عذاب القبر ، وإسناده حسن . نيل الأوطار (١/١٠٧) .(خزائن السنن : ١/١٥٩)

تبصرہ: ① اس روایت کی سند میں عمر بن اسحاق بن یسار ''مجہول الحال'' راوی ہے۔اس کی توثیق کسی معتبر ذریعے سے ثابت نہیں ہو سکی۔جس شخص کے دین اور کردار سے ہم بخوبی آگاہ نہیں، اس سے دین کا ایک اہم مسئلہ کیسے اخذ کر سکتے ہیں؟

② قاضی شوکانی جن سے صفدر صاحب نے یہ حدیث نقل کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

والظاهر طهارة الأبوال والأزبال من كلّ حيوان يؤكل لحمه تمسّكا بالأصل ، واستصحابا للبراء ة الأصليّة ، والنجاسة حكم شرعيّ ناقل عن الحكم الذى يقتضيه الأصل والبراء ة ، فلا يقبل قول مدّعيها إلّا بدليل يصلح للنقل عنهما ، ولم نجد للقائلين بالنجاسة دليلا كذلک ، وغاية ما جاء وا به

حديث صاحب القبر ، وهو مع كونه مراد به الخصوص عموم ظنّيّ الد لالة ، لا ينتهض على معارضة تلك الأدلّة المعتضدة كما سلف .

''اصل (طہارت ہے، اسے)اور براءت اصلیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ظاہری بات یہی ہے کہ ان تمام جانوروں کے پیشاب اور گوبر پاک ہیں جن کا گوشت کھایا جاتا ہے کیونکہ نجاست ایک ایسا شرعی حکم ہے ، جو چیز کو اصل اور براءت اصلیہ کے مقتضیٰ سے خارج کر دیتا ہے ، لہٰذا نجاست کے مدعی کی بات اسی وقت قبول کی جائے گی جب وہ کوئی ایسی دلیل لائے جو اس چیز کو اصل اور براءت اصلیہ دونوں سے نکال سکے ۔ ہم ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب اور گوبر کو نجس کہنے والوں کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں دیکھتے ۔ زیادہ سے زیادہ وہ قبر والی حدیث پیش کرتے ہیں لیکن ایک تو اس سے خصوصی انسانی پیشاب مراد ہے ، دوسرے اس میں عموم ظنی ہے ، جو حلال جانوروں کے پیشاب کی طہارت ثابت کرنے والی زبردست دلیلوں کے مقابلے میں پیش نہیں ہوسکتا ۔ (نیل الاوطار : ٤٤/١)

بڑے افسوس کی بات ہے کہ صفدر صاحب جس سے بھی حدیث نقل کرتے ہیں ، وہ اسی حدیث کے فہم میں صفدر کا ساتھ نہیں دیتا ۔ کیا صفدر صاحب حدیث کو بہتر سمجھتے ہیں یا وہ لوگ جن کے ذریعے حدیث ان تک پہنچی تھی ؟

دلیل نمبر ④ : جناب انوار خورشید دیوبندی صاحب لکھتے ہیں :

[عن عمّار بن ياسر ، قال : أتى عليّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، وأنا على بئر أدلو ماء في ركوة لي ، فقال : يا عمّار ! ما تصنع ؟ قلت : يا رسول الله ! بأبي وأمّي ، أغسل ثوبي من نخامة أصابته ، فقال : يا عمّار ! إنّما يغسل الثوب من خمس ؛ من الغائط ، والبول ، والقيىء ، والدم ، والمنيّ ، يا عمّار ! ما نخامتک ودموع عينيک والماء الذي في ركوتک إلّا سواء .(دار قطني : ١٢٧/١)

حضرت عمار بن یاسر فرماتے ہیں کہ میں کنویں پر اپنی چھاگل میں پانی کھینچ رہا تھا کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: عمار کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں اپنا کپڑا دھو رہا ہوں، اسے تھوک لگ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عمار! کپڑے کو پانچ چیزیں لگ جانے کی وجہ سے دھونا چاہیے؛ پیشاب، پاخانہ، قے، خون اور منی۔ عمار! تمہارا تھوک، تمہاری آنکھوں کے آنسو اور وہ پانی جو تمہاری چھاگل میں ہے سب برابر، یعنی پاک ہیں۔]

(حدیث اور اهلحدیث، ص: ١٦٧۔١٦٨)

تبصرہ: ① یہ روایت سخت ترین ''ضعیف'' بلکہ موضوع (من گھڑت) درجے کی ہے۔ خود امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اس کے راویوں پر جرح کر رکھی ہے جو جناب دیوبندی صاحب ''دیانتِ علمی'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہضم کر گئے۔

اس روایت کے تین راوی ''ضعیف'' ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

① ثابت بن حماد۔ اس کے بارے میں:

امام دارقطنی فرماتے ہیں: **ضعیف جدًا .** ''یہ سخت ضعیف راوی ہے۔''

(سنن الدار قطني: ١/١٣٤)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ولثابت أحاديث يخالف فيها ، وفي أسانيدها الثقات ، وهي مناكير .** ''ثابت بن حماد ایسی احادیث بیان کرتا ہے جن میں ثقات اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کی سندوں میں ثقہ راوی ہوتے ہیں لیکن وہ منکر روایات ہوتی ہیں۔'' (الكامل لابن عدی: ٢/٩٨)

امام بیہقی رحمہ اللہ ثابت بن حماد کی اسی حدیث کو جو انوار صاحب نے پیش کی ہے، نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **هذا الحديث باطل ، لا اصل له ، ثابت بن حماد**

متهم بالوضع . ''یہ حدیث باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں اور ثابت بن حماد پر احادیث گھڑنے کا الزام ہے۔'' (السنن الكبرىٰ للبيهقي : ١٤/١)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إنّ هذا الحديث كذب عند أهل المعرفة بالحديث . ''حدیث کی معرفت رکھنے والوں کے ہاں یہ حدیث جھوٹی ہے۔''

(تنقيح التحقيق لابن عبدالهادى : ١٣٩/١)

ابن عبدالہادی ابوالخطاب سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

يرويه ثابت بن حمّاد ، وأنّ أهل النقل أجمعوا على ترک حديثه .

''اس روایت کو ثابت بن حماد بیان کرتا ہے اور محدثین کرام نے اس کی حدیث کے ترک پر اجماع کرلیا ہے۔'' (تنقيح التحقيق لابن عبد الهادي : ١٣٩/١)

② ابواسحاق ضریر ابراہیم بن زکریا۔ اس کے بارے میں:

امام دارقطنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ ''ضعیف'' راوی ہے۔ (السنن الدار قطني : ١٣٤/١)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدّث عن الثقات بالبواطيل .

''یہ ثقہ راویوں سے باطل روایات بیان کرتا ہے۔'' (الكامل لابن عدي : ٢٥٦/١)

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الحديث الذى رواه منكر .

''جو حدیث یہ بیان کرتا ہے وہ منکر ہے۔'' (كتاب الجرح والتعديل : ١٠١/٢)

③ علی بن زید بن جدعان۔ اس کے بارے میں:

امام اہل سنت، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ''ضعیف'' راوی ہے۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : ١٨٦/٦، وسندهٗ صحيحٌ)

علامہ جوزجانی فرماتے ہیں: واهي الحديث ، ضعيف ... لا يحتجّ بحديثه .

''یہ حدیث میں کمزور ہے، ضعیف ہے۔۔۔ اس کی حدیث سے حجت نہیں لی جا سکتی۔''

(أحوال الرجال للجوزجاني : ١٩٤/١، ت : ١٨٥)

امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ليس بقويّ .** ”حدیث میں بالکل مضبوط نہیں۔“(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ١٨٧/٦)

امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ليس بقويّ ، يكتب حديثه ، ولا يحتجّ به .** ”یہ حدیث میں کمزور ہے، اس کی حدیث لکھی تو جائے گی لیکن اس سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔“(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: ١٨٧/٦)

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لا أحتجّ به لسوء حفظه .**

”اس کا حافظہ کمزور ہونے کی وجہ سے میں اس سے حجت نہیں لیتا۔“

(سير أعلام النبلاء للذهبي: ٥١٠/٥، وفي نسخة: ٢٠٧/٥)

امام دارقطنی رحمہ اللہ بھی اسے حدیث میں کمزور بتاتے ہیں۔(العلل للدارقطني: ٣٤٦/٥)

امام حماد بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **حدثنا عليّ بن زيد ، وكان يقلّب الأحاديث .** ”ہمیں علی بن زید نے حدیثیں سنائیں، وہ حدیثوں کو الٹ پلٹ کر دیتا تھا۔“(تاريخ ابن عساكر: ٤٩٦/٤١، وسندهٗ حسنٌ)

حافظ ہیثمی کہتے ہیں: **وضعّفه الجمهور .** ”اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔“(مجمع الزوائد: ٢٠٦/٨، ٢٠٩)

حافظ ابن العراقی بھی یہی کہتے ہیں۔(طرح التثريب: ٨٢/١)

حافظ ابن الملقن کہتے ہیں: **وادّعى عبد الحقّ أنّ الأكثر على تضعيف علي بن زيد .** ”اور عبدالحق نے دعوی کیا ہے کہ اکثر محدثین علی بن زید کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔“(البدر المنير: ٤٣٤/٤)

قارئین! ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ آل دیوبند کے دلائل کتنے پختہ ہیں! اس کے باوجود جناب انوار خورشید دیوبندی صاحب اپنی سعی لا حاصل ”حدیث اور اہلحدیث“ میں لکھتے ہیں:

① جو صاحب جواب لکھیں اگر وہ اس کتاب میں مذکور احادیث پر جرح کریں

تو جرح مفسر کریں اور جرح کا ایسا سبب بیان کریں جو متفق علیہ ہو نیز جارح فاضح ہونا چاہیے نہ کہ متعصب ، اس چیز کا خاص خیال رکھیں کہ کوئی ایسی جرح نہ ہو جو بخاری و مسلم کے راویوں پر ہو چکی ہو۔

④ جو صاحب جواب لکھیں وہ تدلیس ، ارسال ، جہالت ، ستارت جیسی جرحیں نہ کریں ، کیونکہ اس قسم کی جرحیں متابعت اور شواہد سے ختم ہو جاتی ہیں ، اور متابع وشواہد اس کتاب میں پہلے ہی کثرت سے ذکر کر دیئے گئے ہیں ، ان باتوں کو ملحوظ رکھ کر جواب دیا جائے گا ، وہ یقیناً دوخور اعتناء سمجھا جائے گا ورنہ بے جا اور فضول باتوں سے ہمیں کوئی سروکار نہ ہوگا ۔(حدیث اور اهلحدیث : سخن گفتنی، ص : ٤)

اب انوار صاحب سے گزارش ہے کہ وہ ان تینوں راویوں پر جرح کا مطالعہ کریں اور کسی راوی پر ہماری جرح کو غیر مضر ثابت کر دیں۔ جرح کے ان تمام اسباب کو مختلف فیہ ثابت کر دیں، نیز ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ان جارحین کو متعصب ثابت کر دیں، یعنی کسی ایک جارح پر ہاتھ رکھ کر کہہ دیں کہ اس جرح میں اس نے تعصب سے کام لیا ہے۔

اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو مان لیں کہ ہمارے مذہب کا دارو مدار ہی ''ضعیف و منکر'' روایات یا محض تاویلات باطلہ پر ہے۔

پھر یہ بھی کہ انوار صاحب یہ ثابت کریں کہ ہم نے ان تینوں راویوں میں سے کسی پر تدلیس ، ارسال ، جہالت یا ستارت کی جرح کی ہو ، ورنہ مان لیں کہ مذکورہ راویوں پر جرح متابعات وشواہد سے ختم نہیں ہوگی۔ محدثین اس حدیث کو بے اصل ، باطل اور جھوٹ قرار دے رہے ہیں اور انوار صاحب اپنے تقلیدی مذہب کو ثابت کرنے کے لیے اسے اپنی کتاب میں ذکر کر رہے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس بے اصل روایت میں بھی حلال جانوروں کے پیشاب کی کوئی تصریح نہیں جبکہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ صحیح وصریح احادیث اور محدثین کی تصریحات

کے مطابق حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے اور وہ پیشاب سے وعید والی احادیث کے عموم میں داخل نہیں، لہٰذا اس مسئلے میں کوئی صریح حدیث ہی قابل التفات ہوسکتی ہے۔

دلیل نمبر ⑤ : جناب محمد تقی عثمانی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

''حنفیہ کا دوسرا استدلال مسند احمد میں حضرت سعد بن معاذ کی وفات کے واقعہ سے ہے جس میں آتا ہے کہ دفن کے بعد انہیں قبر نے زور سے بھینچا اور دبایا۔ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ خبر دینے کے بعد فرمایا کہ یہ ان کے عدم تحرز عن البول (پیشاب سے نہ بچنے) کی وجہ سے تھا۔'' (درس ترمذی از تقی عثمانی: ۲۹۰/۱)

تبصرہ : ① مسند احمد کی روایت میں ایک راوی محمود بن عبدالرحمٰن بن عمرو بن جموح ہے۔ اس حدیث سے دلیل لینے والے دیوبندی بھائیوں سے گزارش ہے کہ ذرا اس راوی کے حالات تو تلاش کریں اور اس کی عدالت ثابت کریں، نیز اس روایت میں وہی محمد بن اسحاق راوی ہے جسے بقول جناب صفدر صاحب ۹۰ فیصد محدثین نے ''ضعیف'' کہا ہے۔

جناب صفدر صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ: ''شاید ہی جرح کا کوئی ادنیٰ سے اعلیٰ تک ایسا لفظ ملے گا جو جمہور محدثین اور ارباب جرح و تعدیل نے محمد بن اسحاق کے بارے میں نہ کہا ہو۔''(احسن الکلام: ۸۰/۲)

اور یہ وہی راوی ہے جس کی کئی روایات فقہ حنفی کے پرخچے اڑاتی ہیں، وہاں اس کی جرح پر صفحات کالے کئے جاتے ہیں لیکن یہاں دیوبندی بڑے شوق سے اپنی نام نہاد فقہ کو بچانے کے لیے اسی کی روایات پیش کرتے ہیں۔کیا یہ انصاف ہے؟

جناب تقی اور ناموس صحابہ کرام!

جناب تقی عثمانی صاحب سے سوال ہے کہ اس غیر ثابت شدہ روایت کو پیش کرنے

سے آپ کو کیا فائدہ ہوا؟ اس سے ان کی نام نہاد فقہ تو رُسوائی سے نہیں بچ سکی، ہاں یہ ضرور ہوا کہ ایک جلیل القدر صحابی سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بدظنی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ خدانخواستہ کسی صحابی کے بارے میں کوئی ایسی بات باسند صحیح ثابت بھی ہو جائے تو مسلمانوں کو کسی نہ کسی طریقے سے صحابہ کا دفاع ہی کرنا چاہیے، نہ کہ ''ضعیف'' روایات پیش کر کے صحابہ کے بارے ایسی بدگمانیاں شائع کی جائیں۔

④ رہی یہ بات کہ ایک روایت میں عذاب قبر کی وجہ یہ بیان ہوئی ہے کہ سیدنا (نعوذ باللہ!) سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ پیشاب کے چھینٹوں سے احتراز نہیں کرتے تھے تو:

اولاً : ایسی تمام روایات ''ضعیف'' ہیں، طبقات ابن سعد کی روایت کو خود ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب ''مرسل'' قرار دے چکے ہیں اور ''مرسل'' جمہور محدثین کے ہاں ''ضعیف'' ہوتی ہے۔ نیز اس کی سند میں ایک راوی ابومعشر نامی ہے، جسے امام بخاری رحمہ اللہ ''منکر الحدیث'' کہتے ہیں۔ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ اسے ''ضعیف'' قرار دیتے ہیں۔ دیگر کئی ائمہ کرام نے بھی اس پر جرح کی ہے۔ لہٰذا جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب کا اس کی سند کو ''حسن'' کہنا جہالت یا ضد پر مبنی ہے۔

③ خود جناب ظفر احمد تھانوی صاحب لکھتے ہیں: ولکن لیس فیه ذکر الغنم و نحوه . ''لیکن اس حدیث میں بکریوں وغیرہ کا ذکر نہیں۔''

(اعلاء السنن لظفر أحمد : ۴۴۱/۱)

جب اس باطل روایت میں بھی حلال جانوروں کے پیشاب کے نجس اور عذاب قبر کا سبب ہونے کا ذکر نہیں تو جناب تقی عثمانی صاحب کو صحابہ کرام کے بارے میں بے حقیقت و غلط باتیں شائع کرنے سے کتنے نوافل کا ثواب ہوا؟

لطیفه : جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب رقمطراز ہیں:

ولكن لا يظنّ بسعد أنّه كان لا يستنزه من بول نفسه ، لكونه نجسا بالاتّفاق.

''لیکن سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ نہیں سوچا جا سکتا کہ وہ اپنے پیشاب سے نہیں بچتے تھے، کیونکہ انسانی پیشاب تو بالاتفاق نجس ہے۔''(اعلاء السنن : ۴۴۱/۱)

یعنی انسانی پیشاب تو بالاتفاق نجس تھا، اس میں صحابہ کرام میں سے کسی کو اختلاف نہ تھا، البتہ جس پیشاب کا ذکر مذکورہ روایت میں ہے، وہ حلال جانوروں کا پیشاب تھا کیونکہ اسی کے بارے میں اختلاف تھا اور ہے۔

قارئین! ذرا غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالی اہل باطل کے قلم سے ان کے نہ چاہتے ہوئے بھی سچ نکلوا ہی دیتا ہے۔تھانوی صاحب کی اس عبارت سے صاف طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ ان کے نزدیک حلال جانوروں کا پیشاب بالاتفاق نجس نہیں تھا، اسی لئے تو سعد رضی اللہ عنہ اس سے کما حقہ نہ بچ سکے۔ اہل حدیث اور محدثین کے ہاں تو حلال جانوروں کا پیشاب صحابہ کرام کے نزدیک بالاتفاق پاک تھا۔لیکن اب دیوبندی بھائیوں سے ہمارا سوال ہے کہ اگر بالفرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین حلال جانوروں کا پیشاب نجس ہونے میں اختلاف تھا تو لازمی بات ہے کہ بعض اسے پاک اور بعض ناپاک سمجھتے ہوں گے، لہٰذا ان کے اپنے اقرار کے مطابق صحابہ کرام میں بھی حلال جانوروں کے پیشاب کو پاک سمجھنے والے موجود تھے۔ سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں انہوں نے خود ہی لکھ دیا ہے کہ وہ ایسا ہی سمجھتے تھے،اب ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ وہ کسی ایک ایسے صحابی کا نام بتا دیں جس سے باسند صحیح حلال جانوروں کے پیشاب کو ناپاک کہنا ثابت ہو!!

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو سمجھنے اور اس پر ڈٹ جانے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین ! جاری ہے..................

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک جھوٹ !

ابوالحسن محمدی

علامہ ابوالفتح محمد بن عبدالکریم بن احمد شہرستانی (م : ۵۴۸ھ) ایک رافضی کذاب ابراہیم بن یسار ابن ہانی النظام کے حالات لکھتے ہوئے اس کی بدعقیدگی کے پول بھی کھولتے ہیں۔ اس کا ایک جھوٹ علامہ شہرستانی نے یوں بیان کیا ہے کہ اس رافضی کذاب نے کہا:

إنّ عمر ضرب بطن فاطمة يوم البيعة حتّى ألقت الجنين من بطنها ، وكان يصيح : أحرقوا دارها بمن فيها ، وما كان فى الدار غير عليّ وفاطمة والحسن والحسين عليهم السلام . ''(سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) نے بیعت والے دن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ پر مارا اور ان کے پیٹ کا بچہ گر گیا۔ عمر (رضی اللہ عنہ) پکار کر کہہ رہے تھے کہ اس (سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا) کے گھر کو گھر والوں سمیت جلا دو۔ گھر میں سوائے سیدنا علی، سیدہ فاطمہ، سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم کے کوئی نہ تھا۔''

(الملل والنحل للشهرستاني : ۵۷/۱، الوافي بالوفيات للصفدي(م : ۷٦٤ھ) : ۳٤۷/۵)

رافضی شیعہ اس روایت کو بنیاد بنا کر خلیفہ راشد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر تبرابازی کرتے ہیں، لیکن اس روایت کی نہ تو ابراہیم بن یسار تک کوئی سند مذکور ہے نہ ابراہیم سے آگے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تک کوئی سند دنیا کی کسی کتاب میں موجود ہے۔ یہ روایت دنیا کا سفید جھوٹ اور شیطان لعین کی کارستانی ہے۔ اس طرح کی جھوٹی بے سند اور بے سروپا روایات سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف پراپیگنڈہ کرنا ناعاقبت اندیشی ہے۔

ابراہیم بن یسار ابن ہانی النظام گندے عقیدے کا حامل تھا اور یونانی فلسفے سے بہت متاثر تھا۔ معتزلی مذہب رکھتا تھا اور اس کے نام پر فرقہ نظامیہ نے جنم لیا۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۶۷۳۔۷۴۸ھ) نے احمد بن محمد بن ابی دارم ابوبکر کوفی (م: ۳۵۱ھ) کے ترجمہ میں ابوالحسن محمد بن احمد بن حماد بن سفیان کوفی حافظ (م: ۳۸۴ھ) کے حوالے سے اس کے بارے میں لکھا ہے:

كان مستقيم الأمر عامّة دهره ، ثمّ في آخر أيّامه كان أكثر ما يقرأ عليه المثالب ، حضرته ورجل يقرأ عليه : إنّ عمر رفس فاطمة حتّى أسقطت بمحسن .

''وہ ساری عمر درست نظریے اور عقیدے پر رہا ، لیکن اس کی عمر کے آخری دور میں اس کے پاس عام طور پر صحابہ کرام کے خلاف ہرزہ سرائیاں ہی پڑھی جاتی تھیں۔ میں ایک دن اس کے پاس آیا تو ایک آدمی اس کے پاس یہ روایت پڑھ رہا تھا کہ عمر (رضی اللہ عنہ) نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ظلم کیا حتی کہ ان کے پیٹ کا بچہ محسن گر گیا۔''

(ميزان الاعتدال للذهبي : ۱۳۹/۱، ت : ۵۵۲، أحمد بن محمد بن السري)

یاد رہے کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس ابن ابی دارم کے بارے میں لکھا ہے:

الرافضي الكذاب . ''یہ رافضی اور سخت جھوٹا آدمی تھا۔''

(ميزان الاعتدال للذهبي : ۱۳۹/۱)

امام حاکم رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: **رافضي ، غير ثقة .**

''یہ شخص رافضی اور غیر معتبر تھا۔'' (أيضا)

وہ شخص شیطان ہی ہوسکتا ہے جو اس جھوٹے رافضی کے پاس جھوٹ پڑھ رہا تھا۔ دنیا میں اس کی کوئی سند موجود نہیں ، نہ رافضیوں کی کتب میں نہ اہل سنت کی کتب میں۔ رافضی شیعوں کو چاہیے کہ وہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس جھوٹ کی سند پیش کریں، ورنہ توبہ کر لیں ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے اور اس کا عذاب بہت دردناک ہے۔